سنو کہانی

سنو کہانی

مترجم : منصور نقوی

مصور : سائبل چیٹرجی

چلڈرن بک ٹرسٹ   قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان   بچوں کا ادبی ٹرسٹ

پہلا انگریزی ایڈیشن : 1990

پہلا اُردو ایڈیشن : مارچ 1999

تعداد اشاعت : 3000

© چلڈرن بک ٹرسٹ، نئی دہلی

قیمت : 30.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu language, M/o Human Resource Development, Department of Education, Govt of India West Block-I, R.K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust and Bachchon Ka Adabi Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.

کہانیاں

		صفحہ
ننھی مالن رمولا	جے سی مہتا	5
چوہا بلی	پرتیبھا ناتھ	8
بھیگی	اندرا آننتھا کرشنن	11
کالو میاں شہر گئے	ورشا داس	15
نٹی	گیتا نجلی پرساد	18
سبزیوں سے نفرت کرنے والا بچہ	پارو آنند	21
جگنو	میرا گرگ	25
پھلتوشی	شیفالی ملک	29
پنکی کو کس نے بچایا	سریگن سریواستوا	33
ننھی لال کشتی	شیاملا آیئر	36
بندر! بندر!	نوین مینن	40

سب سے اچھا بلبلا	وجینتی ساونت ٹونپے	46
ایک چھوٹی بچی	رینو مالویہ	50
میرا کا توتا	سرلا جگ موہن	54
عجیب ترکیب	ایرا سکسینہ	58
کابل گدھا	ششی جین	61
چڑیا کا گھر	سوپنا دتا	64
آ...چ...چھی	سریکھا پاتندیکر	67
نیلی پیلی	منورما جفا	71
چھوٹے	کرن راجا	77

ننھی مالن رمولا

بہت دن ہوئے کسی شہر میں ایک بچی تھی۔ اس کا نام رمولا تھا۔ اس کے پاپا کو باغبانی کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے اپنے گھر کے پیچھے ایک باغیچہ بنایا تھا۔ پودوں کی دیکھ بھال کرنا انھیں بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ روزانہ اپنے باغیچے میں کام کرتے تھے۔

رمولا پاپا کو باغیچے میں کام کرتے چپ چاپ کھڑی دیکھا کرتی۔ جب وہ دیکھتی کہ بیج سے ننھا سا پودا نکلتا ہے تو اسے بڑی حیرت ہوتی۔ پھر وہ پودا دھیرے دھیرے بڑا بھی ہوجاتا۔ اسے یہ سب اچھا بھی لگتا تھا اور تعجب بھی ہوتا تھا۔ پھر ان پودوں میں خوب صورت پھول آتے۔ عمدہ پھل لگتے۔ رنگ برنگے پھول پھل دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔

رمولا سوچتی۔۔۔ "جب میں بڑی ہوجاؤں گی تو پاپا کی طرح میں بھی باغیچے میں کام کیا کروں گی۔"

ایک دن اس کے پاپا اس کے لئے کچھ کتابیں، کاپیاں، پنسلیں اور ربر لے کر آئے اور کہا۔۔۔ "دیکھو رمولا بیٹی یہ سب تمہارے لئے ہے۔ اب میری ننھی گڑیا اسکول جایا کرے گی۔"

پینسل، ربر دیکھ کر رمولا کچھ سوچنے لگی۔۔۔ وہ روز ہی اپنے بھیا کو پینسل تراش (شارپنر) سے پینسل بناتے دیکھتی تھی۔ تراشتے تراشتے پینسل چھوٹی ہوجاتی تھی۔ اتنی چھوٹی ہوجاتی کہ کسی کام کی نہ رہتی۔ اور ربر، وہ بھی چھوٹا ہوجاتا۔ کیوں کہ بھیا ربر کو کاپی پر خوب گھستے تھے۔

رمولا سوچتی رہی۔ پاپا نے گلاب کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کو بویا تھا۔ وہ ٹہنیاں گلاب کے بڑے بڑے پودے بن گئی تھیں۔ ان میں خوب صورت پھول آتے تھے۔۔۔ اور پھر اسے ایک خیال آیا۔۔۔ کیوں نہ ایک ربر، پینسل گملے میں بودی جائے۔۔۔ جیسے پاپا گلاب کی ٹہنیاں بوتے ہیں۔

یہ سوچ کر رمولا نے ایک گملے میں مٹی بھری، ایک پینسل اس میں اس طرح دبائی کہ اس کی نوک اوپر کی طرف تھی۔ پینسل کا زیادہ حصہ مٹی کے باہر اوپر کی طرف تھا اور اس کی نوک پر ایک ربر لگادی۔

لو بھئی اب رمولا کا گملا تیار تھا۔

کتنا مزہ آئے گا جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ ربر اور پینسل اُگ رہے ہیں۔" رمولا نے سوچا اور اپنا گملا بڑے پودوں کی کیاری کے پیچھے چھپا دیا۔

اب رمولا ہر روز اپنے گملے میں پانی ڈالتی۔ روز بڑے غور سے دیکھتی کہ شاید کوئی پتی نکلی ہو۔۔۔ یا کوئی کلی پھوٹی ہو۔۔۔!

کافی دن گزر گئے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ اسے بڑا تعجب تھا کہ اب تک پینسل اور ربر کیوں نہیں اگے۔ اسے یاد تھا کہ اس کے پاپا نے ٹماٹر کے بیج بوئے تھے۔ اسی دن اس نے اپنا گملا تیار کیا تھا۔ اور پاپا کے پودوں میں تو اب ٹماٹر بھی دکھائی دینے لگے تھے۔۔۔ پر اس کا گملا ویسا کا ویسا ہی تھا۔

آخر پریشان ہوکر رمولا نے ایک دن پاپا سے پوچھ ہی لیا۔

"پاپا میں نے جو پودا لگایا تھا وہ اب تک بڑا کیوں نہیں ہوا"؟

"کیا۔۔۔؟ تم نے پودا لگایا تھا۔۔۔؟ کون سا پودا؟ کہاں لگایا تھا؟ چلو مجھے دکھاؤ۔۔۔!"

رمولا پاپا کو بڑے پودوں کی کیاری کے پیچھے گملے کے پاس لے گئی۔ گملے میں اب بھی وہی ربر، پینسل کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

پاپا نے اس گملے کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ گئے۔ خوب ہنسے اور کہنے لگے۔

"اچھا بھئی تو میری ننھی گڑیا ربر اور پینسلیں اگانا چاہتی ہے۔" پھر رک کر تھوڑی دیر بعد رمولا کو سمجھایا۔ بیٹا یہ ربر اور پینسل گملوں میں نہیں اگتے۔۔۔ ان میں جان نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں تو کارخانوں میں بنتی ہیں۔۔۔ دیکھو ایسا کرو۔۔۔ آؤ میرے ساتھ۔۔۔" اور پاپا نے گلاب کی ایک ٹہنی رمولا کو دیتے ہوئے کہا۔

"لو یہ لگاؤ گملے میں۔"

رمولا نے گلاب کی وہ ٹہنی گملے میں لگادی اور روزانہ اس گملے میں پانی دینا شروع کیا۔ کچھ دنوں میں وہ ننھی سی ٹہنی ایک ہرا بھرا گلاب کا پودا بن گئی جس میں اب ہلکے گلابی رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔

چوہا بلی

ایک بلی تھی جسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ رات کو جب سب سو جاتے تھے تو وہ اپنا چشمہ پہن کر بلیوں کی بڑی کتاب، پڑھتی تھی۔

ایک دن اس نے پڑھا۔ اگر تمہیں رات کے کھانے میں چوہا چاہیے تو یہ گیت گاؤ،

اس گھر میں ایک چوہا ہے

کہاں ہے چوہا کہاں ہے چوہا،

بلی نے کتاب سے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ارے ۔۔ سچ مچ میز پر ایک چوہا تھا! بلی نے چوہے پر چھلانگ لگائی۔ مگر چوہا بہت تیز تھا۔ بھاگ گیا۔

بلی نے وہی گیت دوہرایا۔

اس گھر میں ایک چوہا ہے

کہاں ہے چوہا کہاں ہے چوہا،

یہ پڑھ کر بلی نے چاروں طرف نظر گھمائی۔ ایک بار پھر سچ مچ وہی چوہا بلی کے بستر پر دکھائی دیا۔ چوہا دانت نکال کر اٹک اٹک کر بولا۔

"ہائے پیاری خالہ"

"ارے شیطان۔۔۔!" بلی چیخی۔ "دیکھ تجھے ابھی پکڑتی ہوں۔" یہ کہہ کر بلی نے بستر پر چھلانگ

BIG BOOK
FOR CATS

لگائی۔۔۔ شوں۔۔۔۔مگر چالاک چوہا ایک بار پھر غائب۔

اب کی بار بلی دروازے کے پیچھے چھپ گئی اور پھر وہی گیت گایا۔

اس گھر میں ایک چوہا ہے

کہاں ہے چوہا کہاں ہے چوہا؟

اور سچ مچ چوہا پھر آگیا۔ مگر اب کی بار وہ بلی کو نہیں دیکھ پایا۔

بلی نے ایک چھلانگ لگائی اور چوہے کی دم پکڑلی۔۔۔ مگر چوہا زیادہ چالاک نکلا۔ ایک دم چلا کر بولا۔

"اوہ پیاری خالہ۔۔۔ بھاگو۔۔۔ بھاگو۔۔۔ ایک کتا تمہارے پیچھے ہے۔" بلی نے گھبرا کر چوہے کو تو چھوڑ دیا۔ اور گھوم کر کھڑکی سے باہر کودنا چاہتی تھی کہ اسے چوہے کی ہنسی سنائی دی۔

بلی نے مڑکر دیکھا۔ چوہا اپنے بل کے پاس کھڑا ہنس رہا تھا۔

"ہا۔ ہا۔۔۔ ہا۔ پیاری خالہ یہ وہ چال تھی جو میں نے چوہوں کی بڑی کتاب سے پڑھ کر سیکھی تھی۔"

یہ کہتا ہوا چوہا اپنے بل میں گھس گیا۔

بھیگی

ایک چھوٹی سی بچی رینو پارک میں کھیلنے جانا چاہتی تھی۔ اس کی ماں نے پیار سے اسے سمجھایا۔۔۔

"ہاں ہاں بیٹی۔۔ شام کو چلیں گے۔ میں لے کر جاؤں گی اپنی بٹیا کو دوپہر بعد پارک میں کھیلنے۔" یہ سن کر رینو خوش ہوگئی۔ اب اسے شام کا انتظار تھا۔

رینو نے دوپہر کا کھانا کھایا اور لگی انتظار کرنے کہ ممّی کا کام ختم ہو۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ کام ختم کئے بغیر ممّی پارک نہیں جائیں گی۔ پر آج تو کام ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔۔۔ وہ سوچنے لگی کہیں ایسا تو نہیں کہ ممی کام ختم کرنے میں دیر لگا رہی ہوں۔

اچانک آسمان پر بادل گھر آئے۔ اور بارش ہونے لگی۔ ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ۔ بارش کی بوندیں کھڑکی کے شیشے پر گر رہی تھیں۔

رینو کو اس وقت بارش ہونا اچھا نہیں لگا۔ کیوں کہ اب وہ پارک میں کھیلنے کیسے جاتی۔ اس نے کھڑکی کے باہر جھانکا۔ بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ پھر اس نے مڑکر اپنی ممی سے کہا۔ "اوہ ممّی یہ بارش کب رکے گی۔"؟

"بیٹی ابھی رک جائے گی۔" ممی نے جواب دیا۔

رینو کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی اور رم جھم، رم جھم بارش ہوتے دیکھنے لگی۔ باہر ہر چیز بھیگ چکی تھی۔۔۔ سڑک بھی گیلی ہوگئی تھی اور پیڑ بھی پانی میں نہا رہے تھے۔ اس نے سوچا۔۔۔ اگر بارش نہ رکی تو پھر وہ پارک کیسے جائے گی۔۔۔!"

"نہیں۔۔۔ نہیں بارش کو فوراً رکنا چاہیے۔!" تب رینو نے ہلکے ہلکے گانا شروع کیا۔۔۔

"رک جا رک جا بارش رک جا تھم جا تھم جا بارش تھم جا
چاہتی ہوں میں جانا۔۔ باہر باغ میں کھیل کے آنا۔۔ باہر"

پر بارش نہیں رکی۔ کھڑکی پر اب بھی بارش کی بوندیں گر رہی تھیں۔ ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ اور شیشے پر بہتی ہوئی نیچے پھسل رہی تھیں۔ رینو اب کافی گھبرا گئی تھی۔ دو بڑے بڑے آنسو آنکھوں سے نکل کر اس کے گالوں پر ڈھلک گئے۔

اچانک کھڑکی سے باہر اس کی چوکھٹ پر اسے کچھ دکھائی دیا۔ رینو نے غور سے دیکھا۔ وہ ایک چھوٹی سی گلہری تھی۔۔۔ جو بارش کے پانی سے پوری بھیگ چکی تھی۔

"ممی۔۔۔" رینو نے آواز دی۔ ممی رینو کی آواز سن کر فوراً آئیں۔ رینو نے اپنی ممی کو وہ چھوٹی سی گلہری دکھائی۔

"ارے یہ تو پانی میں بھیگ گئی ہے اور سردی سے کانپ رہی ہے۔ چہ۔ چہ۔ بیچاری گلہری۔۔۔" رینو کی ممی نے کہا۔ انھوں نے کھڑکی کو تھوڑا سا کھولا۔ ہاتھ بڑھا کر اس گلہری کو پکڑا اور واپس کھڑکی بند کر دی۔

رینو بھاگ کر ایک تولیہ لے آئی۔ ممی نے گلہری کو خشک کیا۔ اتنے میں رینو بھاگ کر ایک ٹوکری لے آئی۔ اس کی ممی نے اس ٹوکری میں ایک نرم سا کپڑا بچھایا اور گلہری کو اس میں بٹھا دیا۔ پھر باورچی خانے سے جا کر کچھ ہلکا گرم دودھ لائیں اور کچھ قطرے گلہری کے منہ میں ڈالے۔ گلہری نے دودھ پی لیا۔

رینو کی ممی نے کچھ اور دودھ کے قطرے گلہری کو پلائے۔ گلہری وہ بھی پی گئی۔

اب گلہری کچھ گرمی محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ کانپ بھی نہیں رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس نے آنکھیں کھولیں۔

"واہ۔۔ کیا خوب صورت بھوری آنکھیں ہیں۔!" رینو خوشی سے بولی۔ اور پیار سے گلہری پر ہاتھ پھیرا۔

"بہت خوب صورت ہے ممی! یہ گلہری۔۔۔ میں پالوں گی۔ اور اس کا نام بھیگی رکھوں گی۔ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو یہ پوری طرح بھیگی ہوئی تھی۔"

ممی رینو کی طرف دیکھ کر مسکرائیں اور بولیں۔

"ہاں، ہاں۔۔۔کیوں نہیں۔ تم چاہو تو بھیگی کو پال لو۔"

رینو خوشی سے پاگل سی ہو رہی تھی۔ وہ زور زور سے گانے لگی۔

"برکھا رانی تیرا شکریہ، جو تو برسی رم جھم آج
بھیگی، جیسا ساتھی پایا جو تو برسی رم جھم آج
کھیلوں گی جم کر میں اس سے، باغ کبھی پھر جاؤں گی
کوئی شکایت اور نہ شکوہ جو تو برسی رم جھم آج"

کالو میاں شہر گئے

کالو میاں ایک بندر تھے۔ وہ جنگل میں رہتے تھے۔ ایک دن انھیں لگا کہ جنگل میں رہتے رہتے وہ اکتا گئے ہیں۔ وہ کچھ نیاپن چاہتے تھے اس لئے انھوں نے شہر جانے کا پروگرام بنایا۔

انھوں نے اپنی بیوی سے کہا۔ "موتی بی بی میں شہر جارہا ہوں۔ کیا تم بھی میرے ساتھ چلنا چاہوگی۔؟"

"ارے نہیں بھئی۔" موتی بی بی نے کہا۔ "میں تو یہیں، اپنے جنگل میں خوش ہوں۔۔۔ شہر سے بہت اچھی ہے یہ جگہ، کتنی ہریالی ہے۔ کتنی خاموشی ہے یہاں"

"خیر جیسا تم چاہو۔ مگر مجھے تو کچھ نیا پن چاہئے۔ ہر وقت یہ پیڑ دیکھتے دیکھتے میں تھک گیا ہوں۔۔۔ بس شام تک لوٹ آؤں گا۔"

موتی بی بی نے انھیں خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا اور اپنے بچوں کے کاموں میں لگ گئیں۔

ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پیڑ پر چھلانگ لگاتے کالو میاں جنگل کے کنارے پہنچ گئے۔ اب شہر یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ کالو میاں شہر کی اونچی اونچی عمارتوں کو بڑے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔

"ارے یہ تو جنگل کے پیڑوں سے بھی اونچی ہیں۔ اور کتنا شور ہو رہا ہے یہاں، بسیں، ٹرک، گاڑیاں، اسکوٹر اور سائیکلیں شور مچاتی ہوئی پاگلوں کی طرح تیز تیز دوڑی پھر رہی ہیں۔"

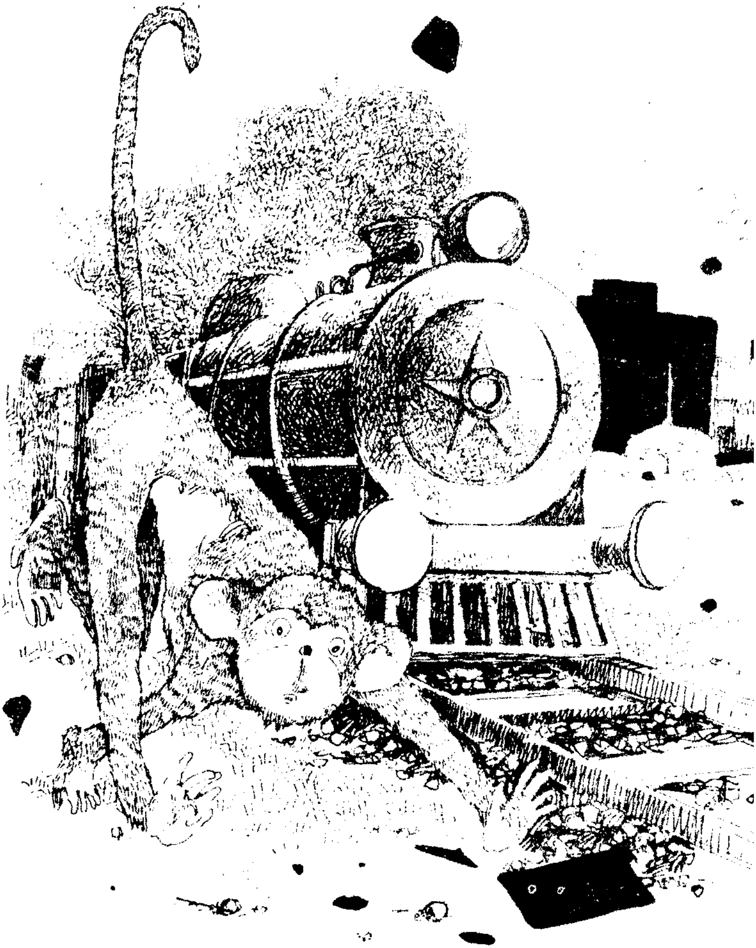

اچانک کالو میاں کو بہت زور سے ایک چیخ سی سنائی دی۔ وہ بری طرح ڈر گئے۔ کود کر پیڑ کی سب سے اونچی شاخ پر جانا چاہتے تھے۔ پر وہاں کوئی پیڑ تھا ہی نہیں۔ کان پھاڑ دینے والی چیخ انھیں پھر سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کھڑ کھڑ، کھڑکھڑ اور چھک چھک۔ چھک چھک کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ اور کالو میاں نے دیکھا کہ ... ایک بڑا سا کالا دیو اپنی ناک سے ڈھیر سارا کالا کالا دھواں چھوڑتا ان کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ کالو میاں نے کبھی ریل کا انجن تو دیکھا نہیں تھا۔ اس لئے ڈر کر سوچا کہ شاید یہ مجھے کھانے آرہا ہے۔

ڈر کے مارے جو انھوں نے دوڑنا شروع کیا ہے تو اس وقت تک دوڑتے رہے جب تک اپنے جنگل کے پیڑوں تک نہ پہنچ گئے۔

جنگل کے پیڑوں پر چڑھ کر ان کا ڈر کچھ کم ہوا۔ اپنے آپ سے بولے۔ "موتی بی بی ٹھیک ہی کہتی تھی... ہمارے جنگل میں تو دوست ہی دوست ہیں... اور اس شہر میں...! ارے باپ رے ... ہر طرف دیو ہی دیو... جو تمہیں کھا جانا چاہتے ہیں۔"

اب کالو میاں پیڑوں پیڑوں چھلانگ لگاتے ہوئے موتی بی بی کے پاس پہنچ گئے۔ وہ کالو میاں کو واپس آتا دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ کالو میاں اس کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"تم ٹھیک کہتی تھیں موتی بی بی۔ ہمارا یہ جنگل بہت خوب صورت ہے اب میں شہر کبھی نہیں جاؤں گا۔"

نٹ

"بھوں۔ بھوں۔ بھوں۔۔۔" کینڈی بھونکی

"چیاؤں۔ چیاؤں۔" کینڈی کے پلے چلائے۔

کینڈی راہل کی پالتو کتیا تھی۔ اس کی عمر چھ سال تھی۔ راہل اور کینڈی کے پلے بہت اچھے دوست تھے۔

چاروں پلے کالے سفید روئی کی گیندوں کی طرح گول مٹول تھے۔ وہ انہیں لالی پاپ، پوپنس، سویٹ، اور نٹ، کے ناموں سے پکارتا تھا۔ راہل ان پلوں کو باری باری اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر ان کے نرم نرم بالوں پر ہاتھ پھیرتا۔

لالی پاپ، پوپنس، اور سویٹ، بہت خوبصورت تھے مگر نٹ، کا چہرا کچھ عجیب تھا۔ اس کا ایک کان اوپر کو کھڑا تھا، جبکہ دوسرا کان نیچے جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے کالے دھبے بھی تھے۔ اور اس کی دم بھی عجیب سی تھی۔ مگر راہل اس کو سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔

روز شام کو راہل ان پلوں کے ساتھ کھیلتا۔ وہ باغ میں چاروں طرف دوڑتے پھرتے تھے۔ اور راہل کی لال گیند سے خوب کھیلتے تھے۔ راہل خوب خوش ہوتا جب وہ چاروں اس کی گیند کے لیے آپس میں لڑتے۔ ایک دن متا چاچا راہل کے گھر آئے۔ "واہ کیا پیارے پلے ہیں۔" اندر آتے ہی انھوں نے کہا۔ "میں وہ والا لے جاؤں گا۔" کیا کہتے ہو تم اسے پوپنس۔ پاپا نے بتایا اور وہ پلا انھیں دے دیا۔

DOG'S
HOUSE

راہل اداس ہوگیا۔ مگر اس کی می نے کہا۔۔ "بیٹا کچھ دن میں یہ پلے بڑے ہو جائیں گے۔ ہم پانچ کتوں کو ایک ساتھ تو گھر میں نہیں رکھ سکتے۔۔۔"

اگلے دن نینا خالا آئیں۔ وہ لالی پاپ' اور سوئیٹی' کو لے گئیں۔ اب صرف نٹی' رہ گیا تھا۔ راہل اسی کے ساتھ وقت گزارا کرتا تھا۔ وہ نٹی' سے اپنے کتے کی طرح پیار کرتا تھا۔ اور دل سے چاہتا تھا کہ نٹی' کو کوئی اس سے دور نہ لے جائے۔

کچھ دن تک تو کوئی نہیں آیا لیکن ایک دن ایک موٹا سا آدمی آیا۔ اس کے ساتھ اس کے گھر کے لوگ بھی ایک بڑی کار میں آئے۔ وہ ایک پلا خریدنا چاہتے تھے۔ جب اس موٹے آدمی نے نٹی' کو دیکھا تو بولا۔ "ارے نہیں یہ تو بڑا عجیب سا لگتا ہے۔"

"لیکن نٹی' تو خوب صورت ہے"۔۔۔ راہل بولا۔

"ٹھیک ہے۔" پاپا بولے۔ "ہم نٹی' کو راہل کے لئے رکھیں گے۔"

راہل' اور نٹی' کمرے میں چاروں طرف دوڑتے پھر رہے تھے۔ می پاپا ہنس رہے تھے اور کینڈی اپنی دم ہلا رہی تھی۔

سبزیوں سے نفرت کرنے والا بچہ

بلبیر کو چاکلیٹ بہت پسند تھی۔ اسے اپنی ماں کے ہاتھ کے بنائے ہوئے مزے دار کھانے بھی بہت اچھے لگتے تھے۔ لیکن سبزی ترکاریاں تو وہ بالکل ہی نہیں کھاتا تھا۔ اس کی ماں کو غصہ بھی آتا تھا۔ مگر کسی بھی سبزی کے لئے بلبیر کے منھ سے زور سے ناہی نکلتی تھی۔

"ارے یہ مٹر دیکھو بلبیر، پنیر کے ساتھ تو بہت ہی مزے کے لگتے ہیں۔۔۔" اس کی ماں کہتی۔ لیکن بلبیر بس اپنی گردن ہلا دیتا تھا۔ کسی بھی سبزی کا نام لو بلبیر فوراً اپنا منھ پھیر لیتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ وہ اس گاجر کے حلوے کو بھی نہیں چھوتا تھا جس میں بہت سے میوے اور کش مش پڑی ہوتی تھی۔ بلبیر کے ممی پاپا کو بہت غصہ آتا تھا، مگر ان سے زیادہ تمام سبزیوں کو غصہ آتا تھا۔ انھیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔

"بلبیر مجھے پسند نہیں کرتا۔ میں بھی اس سے نفرت کرتا ہوں۔۔۔" ایک دن مسٹر آلو غرائے۔

"دیکھو مجھ سے کیسی نفرت کرتا ہے۔۔۔" مولی کے پتے غصے میں چیخے۔

"میں اس بچے کے چپت مارنا چاہتی ہوں۔" مس بھنڈی بولی۔

"اور میں جانتا ہوں کہ اس ضدی بچے کو کیسے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔۔۔" کریلے میاں شرارت

سے مسکرائے۔

اب رات کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔ بس، ساری سبزیوں نے مل کر منصوبہ بنایا۔

بلبیر گوشت کھانے کا بہت شوقین تھا۔ جب گوشت میز پر لاکر رکھا گیا تو اس نے جھپٹ کر ندیدوں کی طرح ایک ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیا۔

"آ۔ آخ تھو۔۔۔" ارے یہ گوشت تو کڑوا ہے۔ وہ چیخا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ کریلے میاں نے اپنا عرق اس کی پلیٹ میں نچوڑ دیا ہے۔

"غلط بات" ۔۔۔ اس کے پاپا غصہ سے بولے۔

مگر بلبیر بولا۔۔۔ "پاپا یہ سچ مچ کڑوا ہے۔۔۔!" اور اس نے کسٹرڈ مانگا۔ جب کسٹرڈ آیا تو پھول گوبھی نے اس میں ڈھیر سارا نمک ملادیا۔

بلبیر نے چمچہ بھر کر کسٹرڈ منہ میں رکھا۔ اسے کسٹرڈ اتنا نمکین لگا کہ وہ اسے نگل بھی نہیں پایا۔

"کسٹرڈ میں بہت نمک ہے ممی!"

لیکن اس کے ممی پاپا نے اس کی بات کا یقین ہی نہیں کیا بلکہ پاپا نے اس کی بدمزاجی کی وجہ سے اس کی پٹائی لگادی۔ آج اسے بھوکا ہی رہنا پڑا۔ آدھی رات کو بھوکا بلبیر چپ چاپ فرج کے پاس پہنچا۔ اسے کھول کر اس نے ایک چاکلیٹ نکالی اور ایک بڑا سا ٹکڑا منھ میں بھر لیا۔۔۔ مگر اس کی زبان جل گئی۔ کیوں کہ سبزیوں نے چاکلیٹ پر مرچیں رگڑ دی تھیں۔

بلبیر کا منہ جل رہا تھا۔ وہ گاجر کے حلوے کی طرف مڑا جو ایک بڑے پیالے میں رکھا تھا۔ جلدی سے ایک چمچہ بھر کر اس نے وہ حلوہ اپنے منہ میں رکھا۔

"آہا۔۔۔ مزہ آگیا۔۔۔" حلوہ بہت میٹھا اور مزے دار تھا۔ اس نے ایک چمچہ اور کھایا۔۔۔ پھر ایک

اور۔۔۔ بلبیر کو بڑا تعجب ہو رہا تھا کہ گاجر کا حلوہ اتنا مزے دار ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسے کھانے کو منع کر دیتا تھا۔ اسے وہ حلوہ اتنا پسند آیا کہ وہ پیالے میں رکھا سارا حلوہ کھا گیا۔

اگلی صبح بلبیر کی می نے چائے کے لیے دودھ لینے کو فرج کھولا۔ انھیں وہ پیالا خالی نظر آیا جو گاجر کے حلوے سے بھرا ہوا تھا۔

"ارے یہ حلوہ کس نے کھایا۔" انھوں نے پوچھا۔

"می میں نے "۔۔ بلبیر نے کہا۔

"تم نے ۔۔۔"!؟ پر تم تو سبزیوں سے نفرت کرتے ہو۔۔ ٹھیک ہے نا!"

"ہاں می۔۔ میں سبزیوں سے نفرت کرتا تھا۔ مگر اب نہیں۔"

بلبیر کی می خوش ہوگئیں۔ "پیارا بیٹا!" اور انھوں نے بلبیر کو گلے سے لگالیا۔

جگنو

آسام کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں دھون نام کا ایک لڑکا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہتا تھا۔

ہر روز شام کو اس کی ماں جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور آگ جلاتی۔ جب وہ جنگل جاتی تو دھون گھر کے پاس ہی باغ میں کھیلتا رہتا۔ اس کی ماں جنگل جاتے وقت ہر روز دھون سے کہتی۔۔۔" بیٹا میں جلانے کے لیے جنگل سے لکڑیاں لینے جارہی ہوں جھونپڑی سے دور نہ جانا۔ آس پاس ہی کھیلنا۔"

"ماما کیا میں جنگل میں تھوڑی دور جاکر بلیک بیری (ایک جنگلی پھل) چن لاؤں۔" ایک دن اس نے پوچھا۔

"اچھا جاؤ مگر زیادہ دور نہ جانا۔" اس کی ماں نے کہا۔

اور اس دن دھون جنگل گیا۔ پیڑوں پر چڑیاں چہک رہی تھیں۔ دھون بہت خوش تھا۔ اس نے بہت سی بلیک بیری اٹھاکر کھائیں بہت سی اپنی جیب میں بھرلیں۔ کچھ اپنے رومال میں رکھ لیں۔

پھر وہ تتلیاں پکڑنے لگا۔۔۔ دوڑتا پھرا اور پھر جنگل میں بہت اندر تک چلا گیا۔ کبھی بھاگتا۔۔ کبھی کودتا۔۔ اس میں اسے گھر جانا بھی یاد نہ رہا۔

کچھ دیر بعد دھون تھک گیا۔ اور تھکن کی وجہ سے اسے نیند بھی آنے لگی۔ وہ گھر جانا چاہتا تھا۔ مگر

اسے راستہ تو یاد ہی نہیں تھا۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے ۔۔۔ وہ ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا اور رونے لگا۔

اب سورج بھی چھپ چکا تھا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ دھون بھوکا بھی تھا اور اسے بہت ڈر بھی لگ رہا تھا۔ گھر کا خیال اور ماں کی یاد آتے ہی وہ اور زور زور سے رونے لگا۔

مگر اس وقت اسے روشنی کا ایک دھبا سا دکھائی دیا۔ جو پیڑوں کے بیچ میں چمک رہا تھا۔ وہ رونا چھوڑ کر اس دھبے کو غور سے دیکھنے لگا۔ دھیرے دھیرے روشنی کا وہ دھبا اس کے پاس آنے لگا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھبا اس کے ہاتھ پر آگیا۔ دھون اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ اسے آواز سنائی دی۔

"میں جگنو ہوں۔۔۔ تم کیوں رو رہے ہو ننھے لڑکے۔۔۔؟"

"میں رستہ بھٹک گیا ہوں۔۔۔ اپنے گھر اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں" دھون نے جواب دیا۔

"روؤ مت ننھے لڑکے۔ میں تمہیں گھر پہنچادوں گا۔ آؤ۔ میرے پیچھے پیچھے۔ آؤ۔ مگر وعدہ کرو مجھے کبھی پکڑنے کی کوشش نہیں کروگے۔"

دھون نے وعدہ کیا اور پھر جگنو کے پیچھے پیچھے پیڑوں کے بیچ سے ہوتا ہوا چل دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے گھر اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے جگنو کا شکریہ ادا کیا۔۔ "تم نے میری اتنی مدد کی جگنو بھائی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"تم نے بھی تو میرا خیال رکھا۔۔" جگنو نے کہا۔۔ "تم نے اپنا وعدہ نبھایا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اب میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہر روز تمہارے گاؤں آیا کروں گا۔۔۔"

یہ کہہ کر جگنو جنگل میں واپس چلا گیا۔ مگر اب بھی ہر رات وہ اپنے دوست سے ملنے گاؤں میں

آتا ہے۔

اور اسی وجہ سے آسام کے گاؤں کی جھونپڑیوں میں رات کو بہت سے جگنو ستاروں کی طرح جگمگاتے پھرتے ہیں۔

پھلتوشی

پاپو کے پاس ایک بڑی پیاری بلی تھی۔ اس کا نام تھا پھلتوشی۔ اس کے پورے جسم پر بھورے ریشمی بال تھے اور اس کی ہری چمکتی ہوئی آنکھیں چمکتے ہوئے کنچے سی نظر آتی تھیں۔ پاپو اسے پھولتو، کہہ کر پکارتی تھی۔ پاپو پھلتو کو بہت چاہتی تھی۔ جب وہ خود کھانا کھاتی تھی تو پھلتو کے لئے بھی اس کی لال پلاسٹک کی پلیٹ میں مچھلی اور گوشت کے ٹکڑے ڈال دیتی تھی اور کبھی کبھی میٹھا دودھ بھی پھلتو کو دیتی تھی۔ پھلتو اس میٹھے دودھ کو بڑا مزا لے کر پیتی تھی۔

پاپو پھولتو کے ساتھ خوب کھیلتی تھی۔ بیکار کاغذوں سے اس نے ایک گیند بنائی تھی۔ اس گیند کو پاپو اچھال دیتی اور پھولتو اسے پکڑنے دوڑتی۔ پاپو گیند لے کر کمرے کے اندر دوڑتی تو پھولتو اسے پکڑنے دوڑتی۔ مگر پھولتو کبھی بھی پاپو کو پکڑ نہیں پاتی تھی۔ اور جب پھولتو اسے نہ پکڑ پاتی تو پاپو خوب ہنستی۔ پاپو کی ماں بھی اس کھیل کو دیکھ کر بہت مزا لیتیں اور خوب ہنستیں۔

ایک دن جب پاپو اسکول سے لوٹ کر گھر آئی تو اس نے پھولتو کو گھر میں نہیں پایا۔ اس نے پھولتو کو ہر جگہ ڈھونڈا مگر وہ کہیں بھی نہیں ملی۔ وہ اسے پکارتی پھری۔ "پھولتو۔ پھولتو۔ کہاں ہو تم؟"۔

مگر جواب میں پھلتو کی میاؤں نہیں سنائی دی۔

پاپو اداس ہوگئی۔ اس کی ماں نے کہا۔۔ "ارے وہ کہیں گئی ہوگی۔ چوہا پکڑنے، ابھی واپس آجائے گی۔۔ گھبراؤ مت ۔۔ اب چلو کھانا کھالو۔"

"نہیں ممی۔ میں پھولتو کا انتظار کروں گی۔"

نہیں بیٹی پاپو۔۔ تم بھوکی ہو، چلو اور بیٹھ کر کھانا کھالو۔۔"

پاپو بھوکی تو تھی مگر پھولتو بغیر اسے کھانے میں مزا نہیں آیا۔

پھولتو دو دن تک نہیں آئی۔ پاپو بہت پریشان تھی "می پھولتو دو دن سے گھر نہیں آئی۔۔" اس نے اپنی ممی سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بیٹی۔۔ وہ ضرور واپس آئے گی۔ بلّیاں ہمیشہ واپس آجاتی ہیں۔"

مگر پاپو سارے گھر میں پھولتو کو ڈھونڈتی پھری۔ اس نے الماریوں میں دیکھا۔ پلنگ کے نیچے دیکھا۔ سیڑھیوں کے پیچھے دیکھا۔ غرض گھر کے ہر کونے میں دیکھ لیا مگر پھولتو کہیں بھی نہیں ملی۔

پھر پاپو کو یاد آیا کہ اس نے سامان رکھنے والے کمرے میں تو دیکھا ہی نہیں۔ وہ فوراً سامان رکھنے والے کمرے کی طرف بھاگی۔ اس نے دیکھا دروازہ کھلا تھا۔ جیسے ہی وہ اندر گھسی، اسے ہلکی سی کراہتی ہوئی میاؤں کی آواز سنائی دی۔ پاپو نے گھوم کر دروازے کے پیچھے دیکھا وہاں پھولتو تین بہت چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ موجود تھی۔

"ارے پھولتو۔۔ تم یہاں ہو۔۔ شیطان بلی۔"

پاپو دوڑ کر اپنی ممی کو کھینچتی ہوئی اس کمرے میں لائی اور کہا۔

"دیکھو ممی میری پھولتو اپنے تین چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ یہاں ہے۔ کیسی پیاری لگ رہی ہے۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔ ہاں، پیاری تو لگ رہی ہے۔" ممی نے کہا۔

اور پھولتو نے پاپو کی طرف دیکھ کر بڑے پیار سے میاؤں کہا۔

پنکی کو کس نے بچایا

شام ہو رہی تھی، سورج ڈوب رہا تھا۔ پنکی منیشا کی گڑیا تھی۔ اور اسے منیشا آم کے پیڑ کے نیچے چھوڑ گئی تھی۔ پنکی انتظار کرتی رہی کہ اب شاید منیشا اسے اٹھائے گی۔۔۔ مگر منیشا اسے بھول گئی۔ اب رات ہونے لگی تھی۔ تیز ہوا چلنے لگی۔ ہوا سے آم کا پیڑ خوب ہلنے لگا۔ پنکی سوچتی رہی کہ شاید منیشا آ جائے۔۔۔

اچانک پنکی کو ایک بھرّائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"اندر جاؤ نا بے وقوف بچی"!

کون ہو سکتا ہے یہ۔۔۔؟ منیشا تو نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی آواز تو بہت میٹھی ہے، پنکی نے سوچا۔۔۔

اس نے چاروں طرف دیکھا اتنے میں پھر وہی آواز سنائی دی۔

"میں نے کہا اندر جاؤ۔۔۔! بارش ہونے والی ہے۔۔۔ تم بالکل بھیگ جاؤ گی۔۔!" پنکی نے دیکھا ایک مینڈک کودتا ہوا اس کے پاس سے گزرا، وہ کسی محفوظ اور خشک جگہ کی تلاش میں تھا۔

جلدی ہی بارش شروع ہو گئی۔۔۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔۔۔ کچھ بوندیں پنکی کے سر اور کندھوں پر بھی گریں۔ وہ پریشان تھی۔۔۔ اگر کہیں تیز بارش ہو گئی تو وہ بھیگ جائے گی اور کمزور ہو جائے گی۔ منیشا آتی

کیوں نہیں۔؟ آسمان میں ایک زور کی آواز ہوئی۔ پنکی بری طرح ڈر گئی۔ کیا یہ شیر دہاڑ رہا ہے۔؟ پنکی ایک تو بارش میں بھیگی ہوئی کپکپا رہی تھی اور ڈر کے مارے بھی کانپنے لگی تھی۔ اب شاید منیشا کبھی نہیں آئے گی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اچانک پنکی کو منیشا کی آواز سنائی دی۔

"اوہ پنکی۔۔۔ پنکی۔۔۔" اور دوڑتی ہوئی منیشا باغ میں آئی۔ پنکی کو اٹھا کر اپنی باہوں میں بھرلیا۔ اس نے کہا۔۔۔

"میری پیاری پنکی مجھے معاف کرنا۔۔۔ میں نے تمہیں یہاں بارش میں چھوڑ دیا تھا۔۔۔ تم کتنی بھیگ گئی ہو اور ۔۔۔۔ ارے کتنی ٹھنڈی ہوگئی ہو۔ مگر گھبراؤ نہیں میں تمہیں جلد ہی پھر سے گرم کر دوں گی۔۔۔"

اس رات پنکی منیشا کے ساتھ سوئی۔ وہاں پر پنکی نے اپنے آپ کو گرم بھی پایا اور محفوظ بھی۔ جلد ہی وہ بارش اور باغ کے واقعے کو بھول گئی۔

ننھی لال کشتی

راجو کے پاپا اس کی سال گرہ پر اس کے لئے ایک چھوٹی سی خوب صورت لال کشتی لائے تھے، جس میں کالے رنگ کی نلکی تھی اور سفید بادبان بھی لگا تھا۔ راجو نے چابی بھری اور کشتی سفید پتھر کے ٹب میں پانی پر تیرنے لگی۔ وہ بہت خوش ہوا اور اپنے دوست سریش کو بلاکر وہ کشتی دکھائی۔۔۔

"یہ تو بڑی خوب صورت کشتی ہے!۔۔۔ پر کیا یہ سچ مچ تیرتی ہے۔" سریش نے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔" راجو بولا۔ اس نے دھیرے دھیرے کشتی میں چابی بھری اور کشتی کو نہانے والے ٹب میں ڈال دیا۔ جس میں پانی پہلے ہی سے بھرا تھا۔ کشتی ہلکی سی کھر۔۔۔ کھر کی آواز کے ساتھ چلنی شروع ہوگئی۔ اور پانی بھرے ٹب میں چاروں طرف چکر کاٹنے لگی۔ وہ ساتھ ہی ساتھ پانی میں لہریں بھی بناتی جاتی تھی۔

"میں اسے ایک بار چلاکر دیکھوں۔۔۔۔؟" سریش نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ تم اسے خراب کردو گے۔"

سریش کو برا لگا۔۔۔ وہ چپ چاپ اپنے گھر چلا گیا۔ اور پھر اس نے راجو کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ اگر راجو اسے سڑک پر کہیں نظر بھی آجاتا تو وہ دوسری طرف مڑ جاتا تھا۔

مگر راجو کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے پاس تو اس کی چھوٹی سی لال کشتی تھی کھیلنے کے لئے اب اس کا زیادہ وقت نہانے کے ٹب کے پاس ہی گزرتا تھا۔ وہ کشتی کو پانی میں تیرتا ہوا دیکھتا رہتا تھا،

اور خوش ہوتا تھا۔

پھر کچھ دن کھیلنے کے بعد راجو اس کشتی سے اکتا گیا۔ اب اسے کشتی سے کھیلنے میں کچھ مزا نہیں آتا تھا۔۔ اور وہ بھی اکیلے ۔ اب وہ سوچتا کہ سریش بھی اس کے ساتھ کھیلتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ ایک دن راجو کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی ممی نے کھڑکی بند کردی تھی کیوں کہ باہر بارش ہورہی تھی۔۔۔ ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ۔

بارش کی بوندیں کھڑکی پر گررہی تھیں اور شیشے پر سے پھسلتی ہوئی نیچے آرہی تھیں۔ راجو نے ایک گانے کی آواز سنی۔

"کشتی لے کر آؤ بچو کھیلو میرے ساتھ

میں لے جاؤں دور بہاکر کشتی اپنے ساتھ"

یہ ہوا کے گانے کی آواز تھی جو بچوں کے لئے گارہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بارش رک گئی۔ راجو نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے پانی بہہ رہا تھا۔ اور بچے اپنی اپنی کاغذ کی کشتیاں اس میں بہارہے تھے۔

کسی کے پاس گلابی کشتی تھی۔ کسی کے پاس سفید۔ چھوٹی بھی تھیں اور بڑی بھی۔ یہ کشتیاں بڑی تیزی سے چھوٹی سی پانی کی دھار پر بہہ رہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی لہروں پر کبھی اوپر اٹھتیں، کبھی نیچے ہوجاتیں۔ کمزور کاغذ کی کشتیاں پانی میں ڈوب گئیں، جب کہ مضبوط کاغذ والی کشتیاں تیرتی رہیں۔

میں بھی اپنی کشتی لے کر جاتا ہوں۔، راجو نے سوچا۔ اس نے جلدی سے اپنی کشتی کو دھویا۔ وہ ایک دم چمک اٹھی۔ وہ باہر بہتی ہوئی اس پانی کی دھار پر پہنچا۔ اس نے چابی بھری اور بڑی احتیاط سے اپنی کشتی کو پانی کی دھار پر چھوڑ دیا پھر۔ ر۔ر۔ر۔ر۔ر۔اور کشتی تیزی سے آگے بڑھی۔ اس نے تمام کاغذ کی کشتیوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ راجو نے بڑے فخر سے لڑکوں کی طرف دیکھا۔

"دیکھو میری کشتی دیکھو۔" اور راجو نے تالی بجائی۔

اچانک ایک لکڑی کا ٹکرا راجو کی کشتی سے ٹکرایا۔ اور کشتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ راجو بیٹھ کر رونے لگا۔

"تم گھبراؤ مت اب تم میری کشتی سے کھیل سکتے ہو۔" راجو نے اوپر دیکھا۔ سریش اپنے ہاتھ میں لال رنگ کی کشتی لیے کھڑا تھا۔ یہ کشتی بالکل راجو کی کشتی جیسی ہی تھی۔

"پاپا میرے لئے لائے تھے ۔۔۔" سریش نے بتایا۔ "آؤ چلو اسے نہانے کے ٹب میں چلاتے ہیں۔"

راجو مسکرایا۔ اب وہ پھر دوست تھے۔

بندر بندر

"بھڑاک ..."

"ارے یہ کیسی آواز تھی..." روہن اور اس کی ممی بھاگ کر باورچی خانے سے باہر آئے۔ وہ دونوں جیسے ہی زینے تک پہونچے انھیں رکنا پڑا۔ سیڑھیوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا موٹا بندر مزے سے بیٹھا انھیں گھور رہا تھا۔ اس کے پاس ہی ٹوٹے ہوئے مٹکے کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ اور پانی سیڑھیوں سے بہتا ہوا نیچے آرہا تھا۔

"شو۔ شو..." روہن نے اس بندر کو ہشکایا، مگر اس کی ممی نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

"یہ مت کرو..." انھوں نے کہا۔ "ورنہ یہ تمہارے اوپر چھلانگ لگادے گا۔" ذرا سی دیر میں چھوٹا سا بندر اس بڑے بندر کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس بندر کے بچے کی بائیں آنکھ بند تھی۔ جیسے اس کے کوئی چوٹ لگی ہو۔ روہن کو اسے دیکھ کر دکھ ہوا۔

"بیچارہ بندر..." روہن بولا۔ "دیکھو ممی وہ کتنا اداس لگ رہا ہے۔ کیوں نہ اسے ہم کچھ کھانے کو دے دیں۔"

دونوں اندر گئے اور روہن ایک کیلا لے کر آیا۔ جیسے ہی بڑے بندر نے کیلا دیکھا وہ ایک دم کودا اور روہن کے ہاتھ سے کیلا جھپٹ لیا... روہن گھبرا گیا، اور رونے لگا۔ اس کی ماں نے فوراً

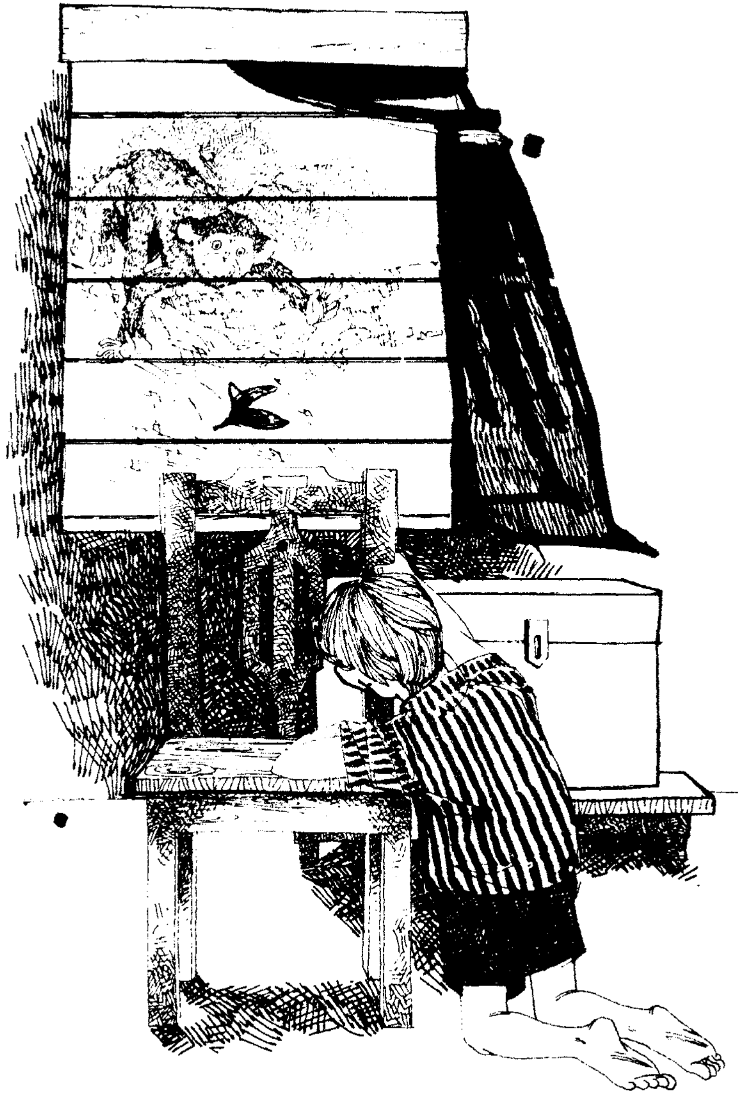

اسے اندر کھینچ کر دروازہ بند کرلیا۔

"لیکن یہ اس چھوٹے بندر کو کیوں نہیں کھانے دے رہا!؟" روہن نے زور زور سے روتے ہوئے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے وہ خود بہت بھوکا ہو..." تسلی دیتے ہوئے اس کی ماں اپنے کام میں لگ گئی۔

اگلے دن روہن جب اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بندر کمرے کی کھڑکی میں لگے سریوں کے پیچھے سے جھانک رہا ہے۔ روہن اسے ایک دم پہچان گیا۔ وہ وہی بندر کا بچہ تھا۔

"بندر... بندر"... اس نے اسے پکارا۔ پھر وہ بھاگ کر کھانے کی میز تک گیا اور وہاں رکھے کیلوں میں سے ایک کیلا اٹھا کر لایا اور بندر کے بچے کو دے دیا۔ اب تو روز وہ بندر روہن کے پاس آنے لگا۔ اس بات کا نہ تو اس کی ممی کو پتہ چلا نہ اس کے پاپا اور اس کی بہن کو۔ بندر تو اس کا ایسا دوست بن گیا تھا جس کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

روہن روزانہ بندر کا انتظار کرتا۔ اور جیسے ہی وہ آتا روہن اسے ایک کیلا دے دیتا۔

جیسے جیسے دن بیتتے گئے بندر شرارتی اور کھلنڈرا ہوتا گیا۔ کیلے کے چھلکے زمین پر پھینکنے کے بدلے وہ انھیں اپنے پاس رکھتا تھا اور جلدی جلدی کیلا اپنے مونہہ میں بھر کر ان چھلکوں کو روہن پر اچھال دیتا تھا۔

روہن بچ جاتا تھا... کبھی جھکائی دے کر کبھی کرسی کے پیچھے چھپ کر، مگر بندر اتنا چالاک تھا کہ وہ سیدھا نشانہ اسی پر لگاتا تھا۔

دونوں کو اب اس کھیل میں مزہ آنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد بندر اپنے آپ چپکے سے چلا جاتا تھا۔

بالکل اسی طرح جیسے چپکے سے آتا تھا۔ اور پھر دن بھر دوبارہ نظر نہیں آتا تھا۔

ایک دن روہن انتظار ہی کرتا رہا پر بندر نہ آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسی وقت اسے زور کی ایک چیخ سنائی دی۔

"ہش ہش" بھاگ بھاگ بندر بھاگ۔۔۔" اس کی بہن چلا رہی تھی۔ "بندر۔۔۔ ارے کیا یہ اپنا بندر ہے!؟" روہن اچھلا اور تیزی سے باہر بھاگا۔ ہاں یہ تو وہی بندر ہے ۔ اپنا بندر۔ آج وہ سامنے کے دروازے سے اندر آیا تھا۔

روہن اس کی طرف دوڑا اور اس سے بالکل لپٹنے ہی والا تھا کہ اس کی می نے اسے ایک دم کھینچ لیا۔

"کیا کرتے ہو تم۔۔۔!" می نے ڈانٹا۔۔۔ "کاٹ لے گا۔"

"نہیں می۔۔!" روہن نے کہا۔ "یہ بندر تو میرا دوست ہے۔ یہ تو روز میرے ساتھ کھیلتا ہے۔ دیکھئے یہ ابھی مجھ سے ہاتھ ملائے گا۔۔۔" روہن نے ہاتھ بڑھایا اور بندر کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

بندر تکلیف سے کسمسایا۔

روہن کی نظر بندر کی ٹانگ پر پڑی جو زخمی تھی، اور وہ سمجھ گیا کہ بندر اپنی چوٹ دکھانے ہی آیا ہے۔ روہن کی می بھی سمجھ گئیں۔ انھوں نے فوراً اپنے پڑوسی انکل سیٹھ کو بلایا، جو جانوروں کے ڈاکٹر تھے ۔ ڈاکٹر سیٹھ نے بندر کی ٹانگ دیکھی اور اس کے دوا لگاکر پٹی باندھ دی۔ "دو ایک دن میں یہ ٹھیک ہو جائے گا"

روہن کو تسلی ہوئی۔ وہ چپ چاپ ماں کے پاس کھسک آیا۔ اور می کی طرف دیکھنے لگا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

اس کی می جانتی تھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔۔۔ انھوں نے اپنے بالوں کو ہلاتے ہوئے

سمجھایا۔

"نہیں بیٹے۔ ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔ اسے اپنے گھر والوں کے پاس ہی جانا ہوگا۔ لیکن گھبراؤ مت اب تو یہ روز تمہارے پاس آیا کرے گا۔ کیوں کہ یہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور پھر ہم سب اس کے ساتھ خوب کھیلیں گے۔"

روہن خوش ہوگیا۔

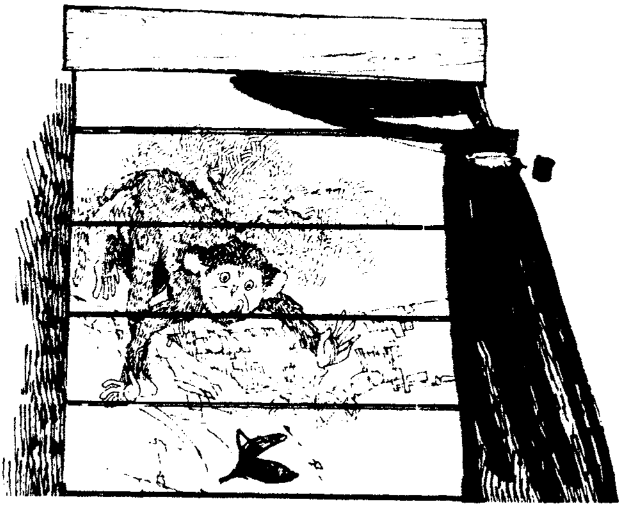

سب سے اچھا بلبلا

"دیکھو دیکھو کتنے سارے بلبلے ..." شبم اس آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا جو پارک میں سیکڑوں بلبلے بناکر ہوا میں چھوڑ رہا تھا۔

"ارے میں بھی ایسے بلبلے ہوا میں اڑا سکتی ہوں۔" تانی نے کہا۔ "میرے بلبلے سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ مگر وہ ایک جگہ چھپے ہوئے رکھے ہیں۔"

مناسی بولی۔ "دکھاؤ تانی مجھے تو دکھادو۔"

"ابھی نہیں..." تانی نے کہا۔ "مگر ایک دن ضرور دکھاؤں گی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تمہارے پاس کہیں بلبلے چھپے نہیں رکھے۔ بلبلے نہیں ہیں۔ اسی لئے تم اس وقت ہمیں بلبلے نہیں دکھا سکتیں..." روہن بولا۔

"میرے پاس ہیں... ضرور ہیں میرے پاس۔ اور وہ دنیا کے سب سے اچھے بلبلے ہیں۔ میں تو ان سے جادوئی چیزیں بھی بنا سکتی ہوں۔" تانی نے زور سے کہا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا..." شبم، مناسی، روہن اور میتری گھر کی طرف بھاگتے ہوئے زور زور سے ہنسے۔

"تانی کے چھپے ہوئے بلبلے کہیں نہیں ہیں... کہیں نہیں ہیں۔!"

"میں ضرور دکھاؤں گی۔۔" تانی نے ان کے پیچھے بھاگتے ہوئے چیخ کر کہا۔۔ "میں تمہیں ضرور دکھاؤں گی" لیکن اگلے دن کسی کو بھی وہ بلبلے یاد نہ رہے۔ وہ لوگ تو اس عمدہ دعوت نامے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جس میں ان کے لئے بلاوا آیا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"چھپاچھپ، چھپاچھپ کرنے کی پارٹی۔۔ کل 15 مئی کو پانی میں چھپاچھپ کرنے اپنے نہانے والے کپڑے پہن کر آیئے۔ پانی سے بھرے ٹب آپ کے چھپاچھپ کرنے کے لئے رکھے جائیں گے۔ اور کھانے کا سامان بعد میں۔"

آپ کی دوست

میتری

بڑا جوش تھا مناسی، شبھم، روہن اور تانی میں۔ شبھم نے طے کیا کہ وہ اپنی موٹر بوٹ لے جائے گا۔ مناسی نے سوچا وہ اپنی گڑیا ساتھ لے جائے گی۔ اور تانی نے سوچا کہ وہ صابن کی ٹکیہ لے جائے گی اور اپنے دوستوں کو وہ بلبلے دکھائے گی۔

میتری کے گھر بچوں کو بہت مزا آیا۔ شبھم اور روہن پانی کے بھرے ٹب میں موٹر بوٹ سے کھیل رہے تھے۔ مناسی اور میتری لال ٹب میں تھیں اور اپنی گڑیا کو نہلارہی تھیں۔ تانی اکیلی ہی نیلے ٹب میں چھپ چھپ کررہی تھی۔ اچانک اس نے زور سے کہا۔۔" دیکھو۔۔۔ سب دیکھو۔۔۔ دیکھو میرے وہ چھپے ہوئے اور بڑے بڑے بلبلے۔۔۔"

اس نے اپنی انگلی اور انگوٹھا اپنے پیٹ پر رکھا۔ جس پر صابن کا پانی تھا۔ اور اپنی انگلیوں کے بیچ ایک چھلّا بناکر اس میں پھونک ماری۔

"اوہو۔۔۔" شبھم، مناسی، میتری اور روہن چلّائے" ارے کتنا خوب صورت۔۔ اور کتنا بڑا ہے۔"

گلابی، ہرے، نیلے، سنہری رنگ کے بڑے سے گول گول بلبلے ہوا میں اوپر نیچے غوطے کھاتے ہوئے اڑ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر چکر لگا کر پھوٹ جاتے۔

"تانی ایک بار اور... ایک بار اور" سب دوستوں نے کہا۔ اور سب نے اس جیسے بلبلے بنانے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی بھی دوست تانی جیسا بلبلا نہیں بنایا پایا۔

شبنم نے کہا... "بتاؤ تم نے یہ کیسے بنایا ہے؟"

"دیکھو... ایسے..." کہہ کر تانی نے اپنے پیٹ پر سے صابن کے پانی کو اپنی انگلیوں میں چھلے کی طرح اٹھایا... "یہ رہا میرا راکٹ" یہ کہہ کر اس نے چھلے میں پھونک مار کر بڑا کیا، اور اسے چھوڑ دیا۔

بالکل ایسا لگا کہ جیسے اڑن تشتری ہو۔

"ہمیں بھی سکھاؤ... ہمیں بھی..." روہن اور شبنم نے ایک ساتھ کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کس کا بلبلا دنیا میں سب سے اچھا ہے۔" تانی نے پوچھا۔

"تمہارا...!" سب بچے مل کر چلائے۔ "تانی کا چھپا ہوا بلبلا دنیا میں سب سے خوب صورت ہے۔" سب بچے اپنے اپنے ٹب کے پاس کھڑے، ہوا میں بلبلے چھوڑ رہے تھے۔ اور تانی کا بلبلا سب سے اچھا اور بڑا تھا۔

ایک چھوٹی سی بچی

بہت دن کی بات ہے ایک چھوٹی سی بچی تھی۔ اس کا نام بے بی تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی بابو تھا۔ وہ اسکول جاتا تھا۔ بے بی بھی اسکول جانا چاہتی تھی۔

ایک دن بے بی نے دیکھا کہ اس کی امی اس کے لئے لال اسکرٹ تیار کررہی ہیں۔ انھوں نے کہا۔۔ "بے بی کل سے تم اسکول جاؤگی۔۔۔"!

بے بی بہت خوش تھی۔

شام کو اس کے پاپا آفس سے گھر آئے تو بے بی، بابو، امی اور ابا بازار گئے۔ ابا نے بی بی کے لئے لال بستہ لیا۔ انھوں نے اس کے لئے چار کتابیں بھی خریدیں۔ جن میں خوب صورت تصویریں تھیں۔ وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی بابو کے پاس تھیں۔

اگلے دن بی بی نے لال اسکرٹ اور سفید بلاؤز پہنا۔ اپنا نیا بستہ اٹھایا اور پھر امی اور بابو کے ساتھ اسکول چلی گئی۔

بے بی کو اسکول میں بہت مزا آیا۔ وہاں ایک بہت اچھی صاحبہ تھیں جنھوں نے سب بچوں کو کہانیاں سنائیں۔ انھوں نے بچوں کو بلی بنانا بھی سکھایا۔ بچے جھولوں پر کھیلے ۔ پھر وہ صاحبہ سب بچوں کو تالاب پر لے گئیں اور اچھلتے کودتے مینڈک دکھلائے۔۔ امی نے بی بی سے

کہہ دیا تھا۔ "اکیلی گھر مت آنا۔ بابو کا انتظار کرنا۔ سمجھ گئیں؟"

"ہاں امی میں سمجھ گئی۔" بے بی نے کہا تھا۔

لیکن بے بی ایک شریر لڑکی تھی۔ جب اسکول کی چھٹی ہوگئی تو اس نے اپنے آپ سے کہا۔۔ "مجھے معلوم ہے میرا گھر کہاں ہے۔۔۔ میں بابو کا انتظار نہیں کروں گی۔" یہ سوچ کر بے بی گھر کے لئے چل پڑی۔۔۔ بابو کا انتظار کئے بغیر۔

وہ چلتی رہی چلتی رہی، پر اسے اپنا گھر نہیں ملا۔ اس کو جتنی بھی عمارتیں نظر آئیں وہ سب اس کے لئے نئی تھیں۔۔۔۔۔ جی ہاں بے بی راستہ بھول چکی تھی۔ وہ رونے لگی۔

اچانک اس نے دیکھا ایک بڑا سا کتا اس کی طرف لپکا۔ وہ چیخی۔۔۔ "کتے بھاگ جا" مگر کتا نہیں بھاگا اور وہ بری طرح ڈر گئی۔

اب بی بی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ سڑک پر کھڑی تھی اور چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک دم اسے پارک نظر آیا۔

اوہ۔۔ ہاں۔۔۔ میری نانی تو اسی پارک کے پاس رہتی ہیں۔' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

بے بی تیزی سے دوڑی اور نانی کے گھر پہنچ گئی۔ نانی نے دروازہ کھولا اور بے بی کو دیکھ کر گود میں اٹھاکر پوچھا۔ "تم اکیلی کیوں آئی ہو بے بی؟"

بے بی نے بتایا کہ وہ کیسے راستہ بھول گئی۔ نانی نے بے بی کی امی کو فون کردیا۔ تھوڑی دیر میں امی بے بی کو لینے پہنچ گئیں۔

"امی میں اب کبھی اسکول سے اکیلی گھر نہیں آؤں گی۔" بے بی نے کہا۔ اب بے بی روزانہ گھر جانے کے لئے امی یا بابو کا انتظار کرتی ہے۔

میرا کا توتا

میرا چھ سال کی تھی۔ اس کے ممی پاپا اسے پیار کرتے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ ایک دن میرا نے آم کے پیڑ کی ڈالی پر ایک توتے کو بیٹھے دیکھا۔ اس کا پورا جسم چمکتا ہوا ہرا تھا، اور چونچ لال تھی۔۔۔ اس کے گلے میں کالے رنگ کا ایک کنٹھا بھی تھا۔

"ممی دیکھئے اس پیارے سے توتے کو۔" میرا خوشی سے بولی۔

اس کی ممی دوڑتی ہوئی آئیں۔ "کہاں ہے۔۔؟" انھوں نے پوچھا۔

"دیکھئے وہ۔۔۔ وہاں بیٹھا ہے۔" اس نے ممی سے پوچھا۔ "کیا ہم توتے کو پال سکتے ہیں۔۔؟"

"ہاں ہاں ہم تمہارے لئے ایک توتا لادیں گے۔" اس کی ماں نے کہا۔

کچھ دن بعد جب میرا ایک دن اسکول سے لوٹی تو اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں ایک پنجرہ لٹکا ہوا دیکھا۔ جس میں ایک توتا تھا۔ میرا دوڑ کر اپنی ممی کے پاس گئی۔ اور کہا "ممی آپ کتنی اچھی ہیں۔ کتنا اچھا توتا لائی ہیں آپ۔"

پھر میرا نے وہ توتا اپنے سب دوستوں کو دکھایا اور سب نے اسے پسند کیا۔ اپنے توتے کا نام میرا نے مٹھو رکھا۔ جلدی ہی مٹھو نے۔۔۔ "میر"۔۔ اور کئی اور لفظ کہنے سیکھ لئے۔ جب مٹھو اس کا

نام لیتا تو میرا کو بہت اچھا لگتا۔

ایک دن میرا مٹھو کے لئے امرود لائی تو اس نے دیکھا کہ مٹھو پنجرے کے ایک کونے میں پڑا ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند ہیں۔

اس نے پکارا... "مٹھو... مٹھو..."

مٹھو نے ہلکے سے اپنی آنکھیں کھولیں، پر وہ بولا نہیں۔

میرا نے اپنی ممی کو بلایا۔ "ممی یہاں آیئے۔ دیکھئے مٹھو کو کیا ہو گیا۔"

جب اس کی ممی نے توتے کو دیکھا تو وہ سمجھ گئیں۔ "مٹھو بیمار ہے میرا!"

"تو کیا یہ مر جائے گا۔؟" میرا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"نہیں۔ نہیں۔ "اسے اسپتال لے جائیں گے۔" انھوں نے کہا۔

اس دن چھٹی تھی، اس لئے میرا کے پاپا بھی گھر پر ہی تھے۔ وہ مٹھو کو چڑیوں کے اسپتال لے گئے۔ میرا بھی ان کے ساتھ گئی۔ ڈھیر سارے بیمار پرندے دیکھ کر میرا کو بڑا تعجب ہوا۔ توتے تھے، کبوتر تھے، گوریاں تھیں، اور بھی بہت سی طرح طرح کی چڑیاں تھیں۔ وہ جگہ بھی بالکل کسی ڈاکٹر کی دوکان کی طرح تھی، جس میں شیشے کی الماریوں میں ہر طرح کی دواؤں کی شیشیاں تھیں۔ قینچیاں تھیں۔ اور چاقو تھے۔ لال لیمپ اور ٹارچیں تھیں۔ حد یہ ہے کہ اسٹیتھسکوپ تک رکھا تھا۔

"کیا یہ دوائیں پرندوں کے لئے ہیں۔" میرا نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔

"ہاں بیٹی..." ڈاکٹر صاحب نے اسے سمجھایا۔ "پرندوں کو بھی ایسی ہی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے، جیسی ہمیں۔ انھوں نے مٹھو کا معائنہ کیا۔ اور کہا۔

"تمہارے توتے کو بخار ہے۔" پھر انھوں نے مٹھو کی چونچ میں دوا ڈالی۔ اور ایک دوا سے بھری بوتل میرا کو دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے مٹھو کو دو دن تک روز دن میں دو بار یہ دوا پلانا۔" یہ جلدی ہی اچھا

ہو جائے گا۔"

گھر پر میرا خود مٹھو کو دوا دینے لگی۔ دو دن میں ہی مٹھو اپنے پنجرے میں پھر پھدکنے لگا۔ میرا نے اسے ہری مرچیں کھلائیں۔ کیلے کھلائے اور دانا بھی کھلایا۔ مٹھو سب کچھ کھانے لگا۔

اچانک میرا کے دماغ میں کچھ خیال آیا۔ وہ اپنی ممی کے پاس گئی اور کہا۔

"ممی کیوں نہ ہم مٹھو کو آزاد کر دیں۔"

"کیوں؟ کیا مٹھو تمہیں اب اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا تو لگتا ہے پر میرا خیال ہے کہ یہ اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہے۔" اس سے پہلے کہ ممی اس سے کچھ کہتیں میرا نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ مٹھو فوراً اڑ گیا۔ اور آم کے پیڑ پر بیٹھ کر کہنے لگا۔

"میرا۔۔۔ میرا۔۔۔"

عجیب ترکیب

رانو، بھالو کے کان میں شیرو، شیر دہاڑا "ہو۔۔۔و۔۔۔م"

چھوٹا بھالو، رانو ایک دم اچھل پڑا۔۔۔ "ارے چپ رہو شیرو۔"

رانو بھالو نے جھڑکا۔ شیرو اس کا اچھا دوست تھا۔ پر رانو کو اس کا اس طرح دہاڑنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

مگر شیرو کو دہاڑنا پسند تھا۔ "ہو۔۔۔و۔۔۔ وم" وہ اپنی بھرپور آواز میں دہاڑتا تھا۔ شیرو کی یہ زور دار دہاڑ ہر ایک کو پریشان کرتی تھی۔ جب شیرو دہاڑتا تھا تو بندر اتنا گھبرا جاتے تھے کہ ان کے ہاتھ سے پیڑوں کی ٹہنیاں چھوٹ جاتی تھیں اور وہ زمین پر گرکر چوٹ کھا جاتے تھے۔ ننھی گلہریوں کے منہ سے دانے گر جاتے تھے اور وہ رونے لگتی تھیں۔ اور تو اور ہاتھی کے چھوٹے بچے بھی ڈر کر اپنی ماؤں سے چمٹ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ مگر شیرو کی دہاڑ نہیں رکی۔ اس کی دہاڑ روز بہ روز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سب جانور پریشان تھے۔ انھوں نے شیرو کو بہت سمجھایا کہ وہ تمیز سے رہے، پر شیرو کو تو دھاڑنے میں ہی مزا آتا تھا۔ آخر سب کو غصہ آگیا اور انھوں نے شیرو کے ساتھ کھیلنا بند کر دیا۔

رانو بھالو کو بڑا دکھ تھا کیوں کہ وہ شیرو کا دوست تھا۔ اسے کیسے سبق سکھایا جائے۔ دونوں پریشان تھے۔

ایک دن شیرو اور رانو بال سے کھیل رہے تھے۔ شیرو بال کو لات مارتا تو جواب میں رانو بھی لات مار کر بال واپس کر دیتا۔

دونوں کو کھیل میں مزا آرہا تھا۔

بندر شاخوں پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ گلہریاں اپنے سوراخوں میں سے کھیل دیکھنے نکل آئی تھیں۔

ننھے ہاتھی اپنی دم اور گردن کو بال کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں گھمارہے تھے۔ جیسے ہی ایک بار رانو نے بال کو لات ماری شیرو واپس لات مارنے کو تیار ہوگیا۔ اپنی پوری طاقت سے اس نے لات ماری اور خوشی سے دھاڑا ہو۔۔۔و۔۔۔م،

بال پیڑ سے ٹکرائی، پلٹی، اور سیدھی شیرو کے کھلے منہ میں جاکر پھنس گئی۔

"غر۔ر۔ر۔رپ!" اور شیرو، کا دھاڑنا بند ہوگیا۔

بال اس کے منہ میں پھنس گئی تھی جس سے اس کی آواز بند ہوگئی تھی۔

"تھیں۔۔۔ ہو۔۔۔ ں۔۔۔ نہہ۔" شیرو نے تکلیف سے جھرجھری لی۔

رانو اس کی طرف بھاگا۔ بندر، گلہریاں، چھوٹے ہاتھی بھی اس کی مدد کرنے بھاگے۔ رانو بھالو نے جلدی سے بال شیرو کے منہ سے نکال دی۔

اب شیرو کو کچھ ٹھیک لگ رہا تھا۔

"ارے۔۔ اس سے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔۔۔!"

"میں اب آپ لوگوں کو نہیں ڈراؤں گا۔۔۔" شیرو بولا۔

"بہت اچھے۔۔۔" رانو بولا۔ وہ بہت خوش تھا کہ شیرو کو سبق مل گیا تھا۔

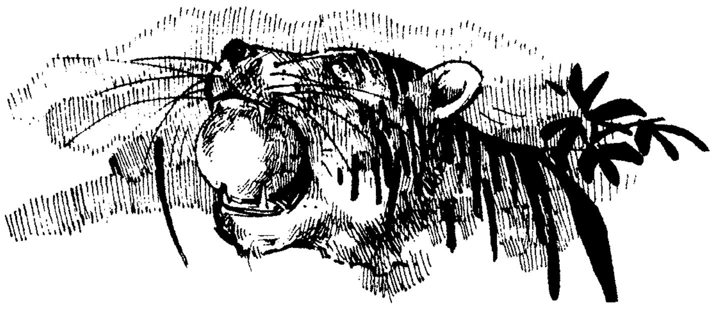

کاہل گدھا

رامو دھوبی کے پاس ایک گدھا تھا۔ نام تھا اس کا ماںبو۔ ماںبو بہت کاہل تھا۔ اکثر جب رامو اسے بلاتا تو وہ بیمار ہونے کا ڈراما کرنے لگتا۔ کبھی کبھی رامو اسے پیٹ ڈالتا۔ مگر ماںبو کو سونا اچھا لگتا تھا۔ اس پر پٹائی کا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔

ایک دن رامو کو کپڑوں کی ایک بڑی سی گٹھری ندی پر دھونے کے لیے لے جانی تھی۔ ماںبو جانتا تھا۔ رامو اس کی پیٹھ پر کپڑوں کا بوجھ لادے گا۔

چپکے سے وہ اپنے باڑے سے کھسک گیا۔ گھر سے دور اسے ایک سنسان جگہ مل گئی۔ وہیں وہ ایک آم کے پیڑ کے نیچے سو گیا۔

ماںبو ابھی سو ہی رہا تھا کہ دھول بھری تیز آندھی آگئی۔ تیز ہوا سے چاروں طرف گرد ہی گرد پھیل گئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ پیڑ پر سے آم گرنے لگے۔ ایک آم ماںبو کے ٹھیک سر پر پڑا۔ اس نے آنکھ کھولی۔۔۔ اور پھر سو گیا۔ تیز ہوا میں طرح طرح کی چیزیں بھی اڑ رہی تھیں۔ ٹین کا ایک خالی ڈبا ماںبو کی پیٹھ سے ٹکرایا۔ بوکھلا کر وہ اٹھ گیا، یہ دیکھنے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا، دھول اس کی آنکھوں میں بھر گئی۔ پھر اس نے دیکھا کہ کچھ جانور ہوا کے ساتھ ساتھ تیزی سے دوڑے جا رہے ہیں۔ اس نے ایک گائے کو روکا اور پوچھا۔

"تم سب بھاگ کیوں رہے ہو؟"

"کیا تمہیں آندھی نظر نہیں آرہی۔۔۔!؟" ہم پناہ لینے اپنے گھر جارہے ہیں۔ مامبو بھی کھڑا ہوگیا۔ اب وہ بھی گھر جانا چاہتا تھا۔ مگر ڈر رہا تھا کہ رامو اسے مارے گا۔ اب دھول مٹی بھر جانے سے اس کی آنکھوں میں تکلیف بھی ہورہی تھی۔

مٹی اس کے نتھنوں میں بھی گھس گئی تھی۔ وہ چھینکنے لگا۔ بڑی تکلیف اور مشکل سے وہ واپس رامو کے گھر پہنچا۔

مامبو سوچ رہا تھا کہ کب اس کا مالک رامو اسے برا بھلا کہنا شروع کرتا ہے ۔۔۔ ڈر کے مارے وہ کانپ رہا تھا۔ مگر رامو نے اس کی کمر تھپ تھپائی اور کہا۔

"اوہو۔۔۔ شکر ہے، تم واپس آگئے۔ میں تو بہت پریشان تھا۔۔۔!"

مامبو اپنی بھونڈی آواز میں خوشی سے چیخا۔ "ڈھینچو۔ ڈھینچو!"

پھر اس نے طے کرلیا کہ اب وہ کبھی کاہلی نہیں کرے گا۔

چڑیا کا گھر

راجو اور مینی باغ میں تھے۔ مینی کے پاس اس کی گڑیاں تھیں۔ اور راجو کے پاس پتنگ۔ مینی نے اپنی گڑیوں کو گھاس پر ادھر ادھر پھیلا رکھا تھا۔

"اتنی گرمی ہے کہ پتنگ نہیں اڑائی جا سکتی اس وقت۔" راجو بولا۔

"میں بھی گڑیوں سے کھیلتے کھیلتے تھک چکی ہوں۔ چلو کچھ نئی بات کریں۔" اتنے میں ایک گوریا (چڑیا) اپنی چونچ میں کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دبائے ان کے پاس سے اڑتی ہوئی گئی۔ "راجو دیکھو۔ گوریا گھونسلا بنا رہی ہے۔" مینی چلائی۔ راجو اچھل پڑا۔۔۔ "چلو ہم بھی چڑیا کا گھر بنائیں۔"

"ہاں۔ یہ تو بہت اچھا رہے گا۔" مینی بولی۔

وہ گھر سے لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ لے آئی۔

راجو اپنا چھوٹا سا چاقو، کچھ کیلیں، اور رنگ کا ڈبہ لے آیا۔ ڈبے میں کچھ سوراخ تھے۔ راجو انھیں دیکھ کر بولا "یہ بڑا سا سوراخ تو۔۔۔ دروازہ ہوگا۔۔ اور چھوٹا والا کھڑکی۔۔۔ باقی سوراخوں کو میں ابھی پلاسٹک لگا کر بند کیے دیتا ہوں۔"

"اور میں اس پر چمک دار پیلا رنگ کر دوں گی۔" مینی بولی۔

تھوڑی سی دیر میں چڑیا کا گھر بن کر تیار ہو گیا۔ راجو نے بڑے بڑے اور صاف لفظوں میں اس پر نیلے رنگ سے لکھ دیا۔ "چڑیا کا گھر۔۔۔" اور اس گھر کو امرود کے پیڑ پر مضبوط رسی سے باندھ دیا۔

"اب چڑیاں کب آئیں گی۔؟ مجھے امید ہے اندر جانے کے لئے وہ آپس میں لڑیں گی نہیں۔" مینی

بے تابی سے بولی۔

"میرے خیال میں سب ایک ساتھ تو آئیں گی نہیں۔ اب جو بھی چڑیا سب سے پہلے آئے گی وہی اس میں رہے گی۔" راجو نے عقلمندی دکھائی۔

مینی اور راجو روزانہ چڑیا کے گھر میں جھانک لیتے تھے۔ مگر ایک بھی چڑیا نہیں آئی۔۔۔ پھر انھوں نے اس گھر کو دیکھنا بند کر دیا۔ اور اسے بالکل بھول گئے۔

گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں۔ اور برسات کا موسم آگیا تھا۔ دن رات بارش ہورہی تھی۔ ایک دن بارش رک گئی۔ سورج چمک رہا تھا۔ مینی اور راجو باغ میں گئے۔ ان کی نظر اس چڑیا کے گھر پر پڑی۔ اس کا رنگ اتر گیا تھا۔

راجو نے اندر جھانک کر دیکھا۔۔ "مینی۔۔۔!" راجو خوشی سے چلایا۔

"اندر کچھ ہے۔۔۔!"

اچانک چڑیا کے گھر میں سے ایک گلہری کود کر باہر آئی۔

"اوہ۔۔ یہ تو پرانی پھدکو ہے۔" راجو چلایا۔

"یہ تو بڑی عقلمند نکلی پھدکو۔ کہ اس نے یہ گھر تلاش کرلیا۔"

مینی نے کہا۔

"سچ مچ۔ یہ بہت تیز نکلی۔ بس اب یہ پھدکو کا گھر ہے۔" راجو بولا۔ دونوں بچے خوب ہنسے اور انھوں نے اس گھر کو پھر سے رنگا اور اس پر لکھ دیا۔

"پھدکو کا گھر۔"

بارش پھر ہونے لگی تھی۔ پھدکو کود کر اپنے گھر میں جا گھسی۔

مینی اور راجو خوشی سے اچھلتے کودتے اندر چلے گئے۔

آ۔۔۔چ۔۔۔ چھی

کسی زمانے میں ستیہ پریا نام کا ایک راجہ تھا۔ اس کی رانی کا نام تھا سنہاسنی۔ دونوں ایک خوب صورت محل میں رہتے تھے، جس میں ایک بڑا سا باغ بھی تھا۔ ان کا بیٹا سروپریہ سب کا لاڈلا تھا۔

راجہ، رانی اپنے بیٹے سروپریہ کو بہت چاہتے تھے۔ وہ اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے بہت سے نوکر تھے۔

راج کمار سروپریہ کو ہر وہ چیز مل جاتی تھی جو وہ چاہتا تھا۔ مگر اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ اسے باہر باغ میں کھیلنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ نوکر نہ اسے بھاگنے دوڑنے دیتے تھے نہ کسی اونچی جگہ پر چڑھنے دیتے۔ انہیں ہروقت ڈر رہتا تھا کہ اگر اسے چوٹ لگی تو سخت جھاڑ پڑے گی۔

بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ راج کمار کو ایک بیماری لگ گئی۔ وہ سارے سارے دن چھینکا ہتا تھا۔ جب اپنے استاد کے ساتھ ہوتا تو چھینکتا، جب گھوڑے پر چڑھنا چاہتا تو چھینکتا۔ جب لڈو ا تو چھینکتا۔ آ۔۔۔چ۔۔ چھی۔۔۔ آ۔۔۔ چھی۔ اب نہ وہ پڑھ سکتا تھا نہ گھوڑسواری کرسکتا تھا اور نہ کھیل سکا۔

راجہ، رانی دونوں پریشان تھے۔ ایک کے بعد ایک حکیم وید بلائے گئے۔ مگر کوئی ڈاکٹر بھی راج کمار کو اس بیماری سے چھٹکارا نہ دلاسکا۔

جیسے جیسے راج کمار بڑا ہوتا گیا وہ چڑچڑا اور بدمزاج ہوتا گیا۔

وہ کسی کی بات ہی نہیں سنتا تھا۔۔ ایک دن جب چھینکوں نے اسے پریشان کر دیا تو وہ باغ میں آیا اور چاروں طرف دوڑنے لگا۔۔ اتنا دوڑا اتنا دوڑا کہ تھک کر چور ہوگیا۔ پھر وہ ایک پیڑ کے نیچے آرام کرنے بیٹھ گیا۔ وہاں اس نے ایک تتلی دیکھی اور وہ اسے پکڑنے کھڑا ہوگیا۔ مگر چھینک آگئی۔ "آج۔۔ چھی۔۔۔" اور تتلی اڑگئی۔

"ہا۔ہا۔ہا۔۔ اگر چھینکوگے تو تم تتلی نہیں پکڑسکتے۔!"

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک بچہ نظر آیا۔ جو دھیرے دھیرے ایک تتلی کے پیچھے بڑھ رہا تھا۔ جلدی ہی اس نے تتلی کو پکڑلیا۔ اور اسے راج کمار کے پاس لایا۔

راج کمار کو پھر چھینک آگئی، اور تتلی اس کے ہاتھ سے چھٹ کر اڑگئی۔

"تم اتنا چھینکتے کیوں ہو!؟" لڑکے نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔۔۔ پر تم کون ہو۔؟"

"میں سونو ہوں۔ میں یہاں پودوں کو پانی دینے کے بعد کھیلتا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"کیا تم یہاں روز کھیلتے ہو؟"

"ہاں کیا تم میرے ساتھ کھیلوگے؟" سونو نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ پر وہ مجھے باہر نہیں آنے دیتے۔ آج بھی وہ مجھے روکنا چاہتے تھے پر میں کسی طرح نکل ہی بھاگا۔"

راج کمار اور سونو گلہریوں کے پیچھے بھاگے کبھی تتلیوں کے پیچھے۔ مگر تھوڑی دیر میں نوکر راج کمار کو اندر لے جانے آگئے۔

اگلے دن راج کمار پھر باغ میں آیا۔ ایک نوکر نے اسے سونو کے ساتھ خوشی خوشی کھیلتے دیکھ لیا۔

اس نے دیکھا کہ راج کمار اس وقت بالکل بھی نہیں چھینک رہا۔ مگر محل میں جاکر وہ پھر چھینکنے لگا۔

نوکر نے راجا کو یہ بات بتادی اور راجا نے سونو، کو بلاکر کہا۔

"تم راج کمار کے ساتھ محل میں ہی رہو۔"

"میں تو نہیں رہوں گا۔۔۔" سونو بولا۔۔۔ میں یہاں نہ تو بھاگ دوڑ سکتا ہوں نہ تتلیاں پکڑ سکتا ہوں۔۔۔ اور پھر میں بھی چھینکنے لگوں گا۔"

راجا سمجھ گیا۔ حکیم بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے راجا کے کان میں کچھ کہا۔

"راج کمار کو کھلی ہوا میں کھیلنے دیجیے۔ اسے چھینکیں نہیں آئیں گی۔

راجا نے کہا۔۔۔ "سونو، اب میں تم سے کہتا ہوں کہ تم روز باغ میں آکر راج کمار کے ساتھ کھیلا کرو۔"

"جی حضور۔۔ راج کمار اور میں دوست ہیں۔ ہم ہمیشہ دوست رہیں گے۔ اس کے بعد سونو اور راج کمار روزانہ باغ میں کھیلنے لگے اور راج کمار کی چھینکیں بھی بند ہوگئیں۔

نیلی پیلی

پریوں کی ایک راج کماری تھی۔ نیلی پیلی اس کو اس نام سے اس لئے پکارتے تھے کہ اس کا ایک پر نیلا تھا اور ایک پیلا۔ جب وہ پریوں کے اسکول گئی تو بچوں نے اسے یہ نام دے دیا تھا۔ اسی لئے اس نے اسکول جانا چھوڑ دیا تھا۔

پریوں کے راجا اور رانی نے استادوں کو محل میں ہی بلوالیا۔ اور نیلی پیلی بہت تیزی سے پڑھنے لگی۔ جب وہ بڑی ہوئی تو بہت خوب صورت پری بنی مگر جب بھی وہ اپنے پروں کو دیکھتی تھی، اداس ہو جاتی تھی۔ نہ کھاتی تھی نہ ہنستی تھی۔ وہ دن بھر اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔ اور صرف رات کو ہی باہر نکلتی تھی۔

"یہ تو اچھی بات نہیں۔ مجھے کچھ کرنا چاہیئے۔" راجا نے کہا۔

رانی ماں بھی بولیں۔ "ہاں ہمیں ضرور کچھ کرنا چاہیئے۔ بس پریوں کے راجا نے پرستان میں اعلان کروایا۔

"جو کوئی بھی میری نیلی پیلی کو خوش کردے گا اسے منھ مانگا انعام دیا جائے گا۔"

پرستان میں رہنے والے سوچ رہے تھے کہ نیلی پیلی کو کیسے خوش کیا جائے! پرستان کے ایک نوجوان درزی نے بھی یہ اعلان سنا۔ اس کا نام درزی تھا۔ وہ پریوں کے راج دربار میں گیا اور راجہ سے کہا۔ "حضور والا میں نیلی پیلی کے پروں کا ناپ لینا چاہتا ہوں اور میں اس کو ضرور خوش کردوں گا۔"

ایک درباری درزی کو نیلی پیلی کے کمرے میں لے گیا۔ سارے پردے کھنچے ہوئے تھے۔ ایک شمع ایک کونے میں جل رہی تھی۔

درزی کو نیلی پیلی کو تلاش کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اپنا ناپنے کا فیتا نکال کر اس نے نیلی پیلی کے پروں کا ناپ لیا۔ اس نے اس کے پروں کا نقشہ بھی ایک کاغذ پر بنایا۔ اور واپس اپنے گھر لوٹ گیا۔ پھر وہ سب سے اچھا لال ریشم کا کپڑا خرید کر لایا۔ اور اس پر سونے اور چاندی کے دھاگوں سے بہت خوبصورت کڑھائی کی۔ پھر اس نے اپنے ناپ کے حساب سے دو پر کاٹے اور پروں کے لیے دو غلاف سی لئے۔ جب وہ تیار ہوگئے تو درزی انھیں محل لے گیا۔

اسے نیلی پیلی کے کمرے میں پہنچادیا گیا۔ اس نے وہ خوب صورت لال غلاف نیلی پیلی کو دکھائے۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ درزی نے ان غلافوں کو پروں پر چڑھانے میں اس کی مدد کی۔ گھر کے پردوں کو ایک طرف ہٹادیا گیا تاکہ سورج کی روشنی اندر آسکے۔ نیلی پیلی نے آئینے میں دیکھا تو اسے لگا کہ وہ تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے ان لال پروں میں۔ مگر جب اس نے کمرے سے باہر دھوپ میں آنے کا ارادہ کیا تو اسے لگا کہ وہ چل نہیں سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اڑ بھی نہیں سکتی۔

اس کے پر اتنے بھاری ہوگئے تھے کہ ہل ہی نہیں رہے تھے۔

اس نے پروں کے لال غلاف اتار پھینکے۔ درزی کو دھکا دے کر اپنے کمرے سے نکال دیا۔ اور اپنے آپ کو اندر بند کرلیا۔ درزی ناامید ہو کر واپس چلا گیا۔

رانی اور راجا اداس ہوگئے۔

اگلے روز ایک بہت ہی خوب صورت نوجوان محل میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا نوجوان آدمی؟" پریوں کے راجا نے پوچھا۔

"میں ایک تصویر بنانے والا ہوں اور میرا نام چترک ہے۔"

اسے فوراً نیلی پیلی کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ نیلی پیلی نے اپنے آپ کو ایک چادر سے ڈھک رکھا تھا۔ اور ایک کونے میں بیٹھی تھی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کو ضرور خوش کر دوں گا۔ پریوں کی راج کماری۔"

اس نے کہا "کیسے ....؟"

"دیکھیے اس کے لئے آپ کو سورج کی روشنی میں آنا ہوگا۔ اس کے بعد میں ایک چھوٹا سا جادو کروں گا۔"

"اچھا.... تو میں کہاں بیٹھوں؟"

"باغ میں... ایک تالاب کے کنارے"

جلدی سے شاہی کرسی باغ میں لائی گئی۔ چترک بھی نیلی پیلی کے پیچھے اپنا رنگوں کا ڈبہ لیے باغ میں پہنچ گیا۔

چترک نے پہلے وہی نیلا رنگ تیار کیا جو نیلی پیلی کے پر کا تھا۔ پھر اس کے پیلے پر جیسا رنگ بنایا۔ اس نے نیلی پیلی کے پیلے پر کو نیلا رنگا۔ اس نے بڑی نرمی اور احتیاط سے اپنا کام کیا تھا۔ جب پیلا پر پورا رنگ دیا گیا تو نیلی پیلی نے پانی میں اپنا عکس دیکھا۔

یہ دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا کہ اس کا پیلا پر ہرا ہوگیا ہے۔ اور دوسرا ویسا ہی نیلا ہے۔

وہ غصہ میں کھڑی ہوگئی.... "اے بے وقوف، تم نے یہ کیا کیا؟ میں تو اب اور بھی خراب لگ رہی ہوں۔"

چترک نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "مگر میں نے تو ابھی آپ کا ایک ہی پر رنگا ہے۔ ذرا مجھے اپنا دوسرا پر بھی رنگنے دیجئے۔"

پھر چترک نے نیلے پر کو پیلے رنگ سے رنگنا شروع کیا۔ تالاب کے شفاف پانی میں نیلی پیلی اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ اب اس کے دونوں پر خوبصورت ہرے ہوگئے تھے۔

"اوہ یہ تو بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔" وہ خوشی سے چلائی۔

"اچھا اب میں آپ کو نیا نام بھی دیتا ہوں۔۔۔ ہری پری"

نیلی پیلی بڑے پیار سے مسکرائی۔ "ہاں تم یہ نام دے سکتے ہو۔"

ہری پری نے اپنے پر ہلائے اور دربار تک اڑ کر چلی گئی جہاں پریوں کا راجا اور پریوں کی رانی بیٹھے تھے۔ چترک بھی اس کے ساتھ اڑتا چلا گیا۔

ہری پری اس وقت اتنی خوش تھی کہ وہ ناچنے لگی اور ساتھ ہی ساتھ گاتی بھی جاتی تھی۔

"چترک تم انعام میں کیا چاہتے ہو۔" پری راجا نے پوچھا۔

"میں ہری پری سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

پریوں کے راجا نے ہری پری سے پوچھا اور وہ تیار ہوگئی۔

چھوٹے

ایک گاؤں کے پاس ایک جھونپڑی میں چھوٹے نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا قد ایک چھوٹے بچے کے کان سے بھی چھوٹا تھا۔

چھوٹے کے چار موٹے بھائی تھے ۔ وہ بڑے بھی تھے اور طاقت ور بھی۔ وہ اسے لاتوں سے اچھالتے بھی تھے اور دھکے بھی دیتے تھے ۔

جب وہ اسے مارتے تو وہ منہ کے بل گرجاتا۔ اور اس کا منہ زخمی ہوجاتا۔

جب وہ اسے دھکا دیتے تو وہ کمر کے بل گرجاتا اور اس کی کمر میں چوٹ آجاتی جب وہ لاتوں سے مارتے تو وہ کولہوں کے بل گرتا اور اس کے کولہوں میں چوٹ آجاتی ایک دن چھوٹے کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے طے کیا کہ وہ اپنے چاروں موٹے بھائیوں کو سبق سکھائے گا۔ وہ ان کے سامنے سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اور کہا۔

"میرے ساتھ جنگل چلو اور مجھے دکھاؤ کہ تم لوگ کتنے چالاک ہو۔"

چھوٹے سب سے آگے دوڑا اور چاروں موٹے بھائی اس کے پیچھے دوڑے ۔ وہ لکڑی کے ایک بڑے سے لٹھے کے پاس رکا اور اپنے بھائیوں سے کہا۔

"کیا تم اس لکڑی کا پاؤڈر بنا سکتے ہو۔؟"

"بالکل" چاروں بھائیوں نے چیخ کر دعوی کیا۔

پہلا بھائی لٹھے پر کودا۔ کودتا رہا، کودتا رہا۔۔۔ "مگر۔ کیا لکڑی پاوڈر بن گئی۔۔۔!؟"
بالکل نہیں۔۔۔ وہ ویسی کی ویسی ہی رہی جیسی تھی۔
پھر دوسرے بھائی نے لٹھے کو اٹھاکر پٹخنا شروع کیا۔۔۔ "پر کیا لکڑی پاوڈر بن گئی!؟" بالکل نہیں۔۔۔ وہ ویسی کی ویسی ہی رہی جیسی تھی۔
تیسرا مکوں سے لکڑی پر چوٹ مارتا رہا۔ "پر کیا لکڑی پاوڈر بنی!؟" نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ وہ ویسی کی ویسی ہی رہی جیسی تھی۔
چوتھے بھائی نے لکڑی پر آری چلائی۔ لکڑی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تو بنٹ گئی۔
"پر کیا وہ پاوڈر بنی۔!؟"
"چاروں موٹے بھائی تھک گئے تھے اور انھیں بہت غصہ آرہا تھا۔ انھوں نے چھوٹے سے پوچھا۔
"کیا تم لکڑی کا پاوڈر بنا سکتے ہو۔؟"
"ہاں ہاں! کیوں نہیں۔ میں کرسکتا ہوں۔!" اس نے لکڑی میں آگ لگادی وہ جل گئی۔ اور ذرا سی دیر میں باریک سفید پاوڈر میں بدل گئی۔
چھوٹے نے فخر سے اپنے چاروں موٹے بھائیوں کی طرف دیکھا۔ سب سے بڑے بھائی نے کہا۔ "چھوٹے ہم بڑے ہیں اور طاقت ور بھی ہیں۔ مگر تم بہت عقلمند ہو۔ اور اب ہم کبھی تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔"